سید مراد علی طالع

قیمت ۵ سکہ عثمانیہ

سیّد مُراد علی طالع

قیمت ۵ر سکۂ عثمانیہ

پیشکش

میں اس ناچیز کتاب کو

نہایت ادب اور خلوص کے ساتھ عالیجناب مولانا
مولوی آغا محمد احسن صاحب بی اے بی ٹی مہتمم
تعلیمات و سرپرست انجمن اساتذہ ضلع ناندیڑ دام اقبالہٗ
کے اسم گرامی سے معنون کرنے کی عزت حاصل کرتا
ہوں جن کی قابل قدر ہستی ضلع ہذا کے لئے ایک
نعمت غیر مترقبہ اور اپنے خلق احسن کے پرتو سے نوخیز
ذرّات کو منوّر کرنے میں اسم بامسمیٰ ہے:

گر قبول افتد زہے عز و شرف

تعارف

ہمارے ہردلعزیز مہتمم تعلیمات مولوی آغا محمد احسن صاحب میں یہہ عجیب خدا داد وصف ہے کہ وہ ہنستے بولتے میں وہ کام کرجاتے ہیں جو دوسرے سے بصد دقت و دشواری بھی بن نہیں پڑتا۔

معائنہ مدارس کے موقع پر ایک ظریفانہ جملہ نیم سرکاری تقریبوں میں ایک پُر مذاق فقرہ، خانگی صحبتوں میں ایک ہنسا دینے والی بات اور دفتری کارروائیوں میں ایک چبھتا ہوا ریمارک ایسا کرجاتے ہیں کہ اُس کا لطف بس سننے والے ہی کا دل جانتا ہے۔

اِن کی بذلہ سنجی اور شگفتہ مزاجی کا یہ جادو محض وقتی تفریح طبع کا سامان نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات دل پر بڑا گہرا اور مفید اثر بھی کرتا ہے اِس زندہ دلی کا پہلا اور سب سے

بڑا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ ماتحتین اُن کی موجودگی میں وہ اجنبیت اور وحشت نہیں محسوس کرتے جو تعلقات سرکاری کا ایک جزو لاینفک بن گئی ہے۔

معائنۂ مدارس کے موقع پر منہ تھوتھانے اور صورت بنانے کے بجائے ایک ایسا دلفریب تبسم اُن کے لبوں پر کھیلتا رہتا ہے اور ایسی بے تکلفی اور خلوص کی باتیں وہ کرتے جاتے ہیں کہ مدرسین اِنہیں ایک ہَوا سمجھنے کے بجائے اپنا ایک پرانا رفیق اور سچا ہمدرد سمجھنے لگتے ہیں ہمارے آغا صاحب اپنے اِس خداداد جوہر سے خود بھی واقف ہیں اور اِس سلیقہ کے ساتھ اِس دو دھاری تلوار سے کام لیتے ہیں کہ اس سے ایک طرف تو اُن کی واقفیت اور تعلقات مدرسین سے بڑھتے جائیں اور دوسری طرف مدرسین کے تعلیمی ذوق اور علمی انہماک میں اضافہ ہو۔ وہ اپنے حلقۂ اثر میں جہاں کہیں علمی جراثیم پاتے ہیں اُن کی نشو و نما اور توسیع و اشاعت میں حتی المقدور سعی فرماتے ہیں۔ چنانچہ زیرِ نظر کتاب اُن کی اِس خصوصیت کا ایک مرئی اور محسوس مظہر ہے جس کے ذریعہ اُنہوں نے ایک ہونہار مدرس کی خوابیدہ ادبی

قوتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کی "شان نزول" تو ہمارے دوست حاجی صاحب کے مقدمہ میں آپ پر ظاہر ہو ہی جائیگی مگر یہاں صرف اس قدر سن لیجئے کہ اسکی تحریک و اشاعت میں آغا صاحب کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا کہ "مسدس حالی" کی اشاعت میں سر سید کا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آپ نے ایک گشتی کے ذریعہ اپنے ماتحت مدارس کے مدرسین کو توجہ دلائی تھی کہ وہ اپنے اپنے مستقر کے متعلق جتنے ضروری معلومات بہم پہنچ سکیں انہیں ایک مضمون کی صورت میں مرتب کرلیں چنانچہ یہ کتاب اس گشتی کا ایک ثمر پیش رس ہے۔

اس کتاب کی طرح (جسے مصنف نے تاریخ دکن کا ایک ورق کہا ہے) اگر اور اوراق بھی تیار ہوتے جائیں تو ہمارے ملک کے ایسے جیرہی حالات بھی مدون ہو جائیں گے جن کے لوح زمانہ سے محو ہو جانے کا بڑا امکان ہے خصوصاً اس سلسلہ میں ایسے مقامات کی تاریخ بڑی مفید ہوگی جو اپنی تاریخی اہمیت آب و ہوا کی خوبی یا کسی خاص صنعت کے باعث ممتاز ہوں۔

اگر مصنف صاحب اپنے آیندہ انتخاب میں اس امر کو پیش نظر رکھیں تو یقین ہے کہ ان کے مساعی بہت مشکور رہیں گے۔

محمد اعظم خاں

ایم اے۔ صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ دیگلور

مقدمہ

ہمارے موجودہ بیدارمغز ناظم تعلیمات عالیجناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری کے زمانے میں جہاں اور اصلاحات وجود میں آئیں اِن میں سے ایک ضلع واری تعلیمی کانفرنس کا وجود ہے جس کے خوشگوار نتائج میں سے ایک زیر نظر کتاب بھی ہے جس وقت ضلع ناندیڑ کی پہلی تعلیمی کانفرنس ۱۳۴۵ف میں منعقد ہوئی اِس میں مختلف النوع عنوانات پر تقریریں ہوئیں، نمونے کے اسباق پڑھائے گئے، ڈرامے ہوئے، مکالمے کئے گئے، تعلیمی نمائش ہوئی لیکن اِن سب میں ایک چیز جو شرکاء کانفرنس کا مرکز توجہ بنی ہوئی تھی بالکل نئی تھی وہ ہمارے محترم و مشفق مہتمم تعلیمات ضلع عالیجناب مولوی آغا محمد احسن صاحب کی تعلیمی دلچسپیوں کا مظہر یعنی مضمون زیر نظر تھا جو مولوی سید مُراد علی صاحب طالع اول مددگار مدرسہ ہذا نے پڑھ کر سنایا۔ اختتام پر عالیجناب مہتمم صاحب نے اظہار پسندیدگی کے بعد جغرافیائی معلومات کے اِضافہ کی نسبت مولوی صاحب موصوف کو متوجہ فرمایا۔ چنانچہ اُس وقت سے موصوف اِس اضافے میں کوشاں تھے

اور اب اس کی تکمیل کے بعد تشنگان تاریخ کے مطالعہ کیلئے پیش کر رہے ہیں
مولوی صاحب کو اس قسم کی معلومات کی جستجو اور تلاش کا شوق ہے
اور جہاں کہیں وہ رہے ہیں کم و بیش کچھ نہ کچھ مقامی معلومات کا مواد
ان کے پاس رہا ہے۔ یہہ کتاب جو درحقیقت تاریخ دکن کا ایک ورق
ہے اُن کی تلاش و محنت کا ثمر اولیں ہے جسے عالیجناب مہتمم صاحب کے
اسم گرامی سے معنون کرنے کی عزت حاصل ہوئی ہے جو کتاب
کے لئے باعث صد افتخار ہے۔

میرے خیال میں اس مختصر سی کتاب میں وہ سب باتیں آگئی
ہیں جو کسی مقام کی تاریخ کے لئے ضروری اور طلباء کے لئے مفید ہیں
واقعات دلچسپ پیرایہ اور سلیس زبان میں لکھے گئے ہیں جس سے
بآسانی طلباء کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اگر معزز ارباب سررشتہ
اور عوام اس کی قدر کریں تو مولوی صاحب کی حوصلہ افزائی ہونے
کے علاوہ دیگر مدرسین کے لئے بھی تحریص کا باعث ہوگا فقط

محمد حاجی گلشن آبادی
صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ درجۂ اوّل بچکندہ

دیباچہ

اس تصنیف یا تالیف کے متعلق کچھ لکھنا ایک فضول سی بات ہے جس کے لکھنے میں اتنا وقت بھی نہ لگا ہو جتنا اس کی نقل کرنے میں کاتب صاحب کا صرف ہوا ہے لیکن بعض باتیں ایسی ہیں جن کا ظاہر کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں :-

عرصے سے میری یہ آرزو تھی کہ دوران ملازمت میں اپنے دیکھے بھالے ہر مقام کے تاریخی و جغرافیائی حالات و واقعات فراہم کروں خدا کا شکر ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور یہ حقیر تالیف اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے جس میں کہ میں کوشاں ہوں ۔ یہ امر میرے لئے باعث ہزار مسرت ہے کہ جن بزرگوں نے دیکھا اس کو پسند فرما کر میرا حوصلہ بڑھایا

میں نے اس کے دو حصے کئے ہیں ایک عہد قدیم اور دوسرا دورِ جدید (عہد سلاطین آصفی) یہاں اس امر کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ میں نے تکمیل مضمون کے لئے ضروری مواد فراہم کرنے کی دھن میں اِس موضوع پر جس قدر بھی مستند کتابیں مل سکیں ان کا مطالعہ کیا مثلاً تذکرہ اولیائے ہند، تواریخ ہند، تاریخ دکن، تاریخ ورنگل، تاریخ قندھار دکن، تاریخ کولاس وغیرہ اس کے علاوہ دفاتر مقدمات دیہی اور دفاتر مال وغیرہ سے بھی مدد لی گئی ہے ۔

بریں ہمہ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ مختصر کتاب قصبۂ بچکنڈہ کی ایک مکمل و جامع تاریخ ثابت ہوگی اور نہ میں کوئی مورخ ہوں البتہ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میں نے حتی الامکان اس مضمون کی تکمیل میں کوشش کی ہے یقین ہے کہ پبلک میری اس کاوش کی قدر کریگی۔

اگر معزز ارباب رشتہ ازراہ علم پروری ناچیز کی حوصلہ افزائی فرماکر سرپرستی فرمائیں تو امید ہے کہ اس عنوان کے اور دوسرے سلسلے بھی مرتب ہوسکیں۔

احسان فراموشی ہوگی اگر میں اس موقع پر اپنے علم دوست محترم عالیجناب مولانا مولوی محمد اعظم خاں صاحب ایم اے صدر مدرس مدرسۂ وسطانیہ دیگلور کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے ازراہ عنایت تعارف تحریر فرمادیا جس کو آپ اس کتاب کے آغاز میں ملاحظہ فرمائیں گے اور ازراہ علمی ہمدردی بعد ملاحظہ کتاب ہذا میں قابل قدر اصلاح فرمائی چونکہ صاحب موصوف خود بھی تالیف و تصنیف کا ذوق سلیم رکھتے ہیں اس لئے ہر ایسے کام کی قدر فرماتے ہیں جن کا میں تہہ دل سے متشکر ہوں۔

اشاعت تصنیف کی تحریک کا میں اپنے دیرینہ کرمفرما جناب مولوی محمد حاجی صاحب صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ درجۂ اول قصبۂ بچکنڈہ کے پرخلوص مشورہ کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کتاب ہذا کا مقدمہ جو باوجود اختصار کے نہایت جامع ہے آپ کی علمی قابلیت کا مظہر ہے جس کا مشکور ہوں فقط

۲۳ اردی بہشت سنہ ۱۳۴۸ف م ۱۵ محرم الحرام سنہ ۱۳۵۸ھ

سید مراد علی طالع

سلطان شاہی بلدہ حیدرآباد دکن

سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی

تمہید

کسی ملک یا قوم کی ترقی کے لئے عروج کے لئے باحوصلہ اور
باہمت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ گذشتہ تاریخ سے اس
کو واقف کیا جائے اس کی عظمت و رفعت شان و شوکت اور
قدامت سے اس کے دماغ تازہ کئے جائیں اس کے بزرگوں کی
ہمتوں اور شجاعتوں کو یاد دلایا جائے اور مادر وطن کی داستانوں
سے باخبر کیا جائے اس کا یہ اثر ہوگا کہ عوام اپنے حالات کا جائزہ
لیں گے، دلوں میں ولولے پیدا ہوں گے جوش پیدا ہوگا ہمت و
قوت پیدا ہوگی، عزم و ارادہ پیدا ہوگا اور مادر وطن سے وہ محبت
پیدا ہوگی جو پھر کبھی دماغوں سے محو نہ ہوگی :-

ہر قوم اور ہر مقام کی تاریخ میں ایک ابتدائی عہد ایسا گزرا ہے
جس کے حالات اس عہد کے قیاسات عقلی سے باہر اور عجیب و
غریب واقعات سے لبریز ہیں چنانچہ ٹھیک یہی حال بچکنڈہ کی
تاریخ میں اس کے ایک مشہور لوہار اور سنگ پارس کا ہے -

خاکہ ملک سرکارِ عالی
اورنگ آباد
پربھنی
نظام آباد
کاماریڈی
نظام ساگر
میدک
سنگاریڈی
بلدۂ حیدرآباد
ریل
سڑک

باب اوّل

عہد قدیم

دکن کی سطح مرتفع جو دریائے تاپتی اور دریائے تنگبھدرا کے درمیان واقع ہے اور جسے سلسلۂ کوہائے بندھیاچل اورست پڑا شمالی میدان سے علحدہ کرتے ہیں اس کے مغربی کناروں پر مغربی گھاٹ اور مشرقی کناروں پر مشرقی گھاٹ پھیل گئے ہیں ان قدرتی رکاوٹوں نے دکن کو عرصۂ دراز تک بیرونی حملوں سے بچائے رکھا یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کی طرز معاشرت پر غیر قوموں اور بالخصوص مسلمانوں کا بہت کم اثر پڑا لیکن سلطان جلال الدین خلجی کے عہد حکومت میں اس کا بھتیجا علاؤ الدین ۱۲۹۴ء م ۶۹۴ھ میں کمال ہمت و استقلال سے تمام مصائب سفر برداشت کرتا ہوا دکن پر حملہ آور ہوا چنانچہ اسی وقت سے دکن میں مسلمانوں کے آنے کی ابتداء ہوئی اور اسلامی تہذیب و تمدّن کی یہاں بو باس پیدا ہونے لگی۔ اس وقت محکندہ جو محکند رشی کے نام سے موسوم

ہے اور جسے آج کل بچلکندہ کہتے ہیں رانائے ورنگل کے تسلط
میں تھا قدیم الایام سے یہاں دھنگر رہا کرتے اور جانوروں کے
منڈے چرا کرتے تھے۔ صرف چند گھانس پھوس کی جھونپڑیاں
تھیں۔ یہاں کی آبادی و تہذیب میں کبھی اب معتدبہ اضافہ و
امتیاز رونما ہو چکا تھا دیگر اقوام اور پیشے کے لوگ بھی یہاں
آباد ہونے لگے مگر اس وقت بھی اس معمورہ میں دھنگروں
کی کافی آبادی تھی چنانچہ رانا پرتاب رُدرا دیو راجۂ ورنگل کا
تعمیر کردہ ایک مندر اور ایک بڑا تالاب موسوم بہ کمر تالاب قصبۂ
ہذا میں آج بھی موجود ہے جس کو آج (۶۳۰) سال کا عرصہ ہوتا
ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ارض ہند میں سلطان علاؤالدین
خلجی کی سطوت و جبروت اور شاہنشاہیت کے ڈنکے بج رہے
تھے اور رانائے ورنگل باجگزار دہلی بن چکا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ
خطۂ زمین راجگان ورنگل قبضہ سے نکلکر بعہد سلطان غیاث الدین
تغلق کلیتہً شاہان دہلی کے قبضے میں چلا گیا اور سلطان محمد
تغلق کے عہد میں تو خود دکن ہی میں ایک علحدہ مستقل اسلامی حکومت
۱۳۴۷ء مطابق ۷۴۸ھ میں قائم ہوگئی جو بعد میں بہمنی سلطنت
کے نام سے مشہور ہوئی اس طرح تقریباً ڈیڑھ سو سال تک

یہ علاقہ سلاطین بہمنیہ کے زیر اثر رہا اور پھر بہمنی سلطنت کے ٹوٹنے پر ۱۵۱۰ء مطابق ۹۱۶ھ سے فرمانروایان گولکنڈہ کے قبضے میں آیا :-

ٹھیک اسی زمانہ میں قصبۂ ہذا کا باشندہ ایک لوہار اپنی کلہاڑی لیکر لکڑی کاٹنے بُڈی کے پہاڑ[1] پر گیا۔ کہتے ہیں کہ جب درخت پر کلہاڑی کا وار کیا تو معاً اس کی کلہاڑی سونے کی ہوگئی یہہ دیکھکر اس کو تعجب ہوا فوراً دوسری کلہاڑی کا ضرب لگایا تو وہ بھی سونے کی ہوگئی اب تو اس کے حیرت کی انتہا نہ رہی اور کسی نہ کسی طریقے سے درخت کی اُس شاخ کو کاٹ ہی لیا اور لکڑی چیر کر دیکھا تو اس میں سے ایک پتھر برآمد ہوا امتحاناً ایک دوسری چیز پر رگڑا وہ بھی سونے کی ہوگئی بحفاظت تمام سنگ پارس کو گھر لایا اور آرام سے زندگی بسر کرنے لگا رفتہ رفتہ اس سرمایہ سے لوہار نے بڑے تالاب کی مرمت کی اور مندر کی عمارت میں بھی بہت کچھ ترمیم کر کے اس کی آرائش اور خوبصورتی میں مزید اضافہ کیا دور دور سے راج مزدور بلوائے گئے اور بہت سرگرمی سے کام ہونے لگا چنانچہ سلطان عبد اللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) فرمانروائے

[1] یہ پہاڑ آبادی سے ۱½ میل کے فاصلہ پر شمال مشرقی سمت میں واقع ہے۔

گولکنڈہ کو بھی اِس واقعہ کی خبر ملی تو سلطان نے لوہار کی گرفتاری
کے لیئے ایک فوجی دستہ اصغر حسینؒ سپاہ سالار کے زیر کمان
روانہ کیا چنانچہ یہہ شاہی فوج محکلندہ سے تقریباً ½ ۳ میل کے
کے فاصلہ پر خیمہ زن ہوئی اس مقام کو زبان اُردو میں آجکل
"پرانا لشکر" تلنگی میں "پادنلڈ" کنڑی میں "ہلدنڈی" کہتے ہیں۔ جو
تقریباً سب ہم معنیٰ الفاظ ہیں اسی لیئے اس موضع کا عرفِ عام
پرانا لشکر زبان زد خاص و عام ہے لیکن موجودہ رائج الوقت
نام "فتح اللہ پور" ہے چنانچہ ناچیز راقم نے بھی تحقیقاتی ضمن میں
اس موضع کو دیکھا ہے۔ اس موضع میں قطب شاہی عہد کی یادگار
ایک عالیشان مسجد بھی واقع ہے مسجد کے کتبے سے بھی یہی پتہ
چلتا ہے کہ یہہ مسجد بزمانہ سلطان عبداللہ قطب شاہ بیادگار ورودِ
لشکر تعمیر ہوئی اور اس کا نام "معسکری مسجد" رکھا گیا ہے:۔

جب اس موضع سے گزر کر سپاہ سالار افواج قطب شاہی
بغرض گرفتاری لوہار محکلندہ آیا تو لوہار ایک تہہ خانے میں کچھہ
دنوں کے لئے غائب رہا اور شاہی فوج کنارہ تالاب مقیم رہی
اسی طرح کئی ہفتے گزر گئے۔ آخر سپاہیوں نے کسی نہ کسی طرح لوہار
کو گرفتار کر ہی لیا اور واپس ہوگئے لوہار نے جو اپنے انجام کو

پہلے ہی بھانپ لیا تھا اشنان کے بہانے تالاب میں جاکر سپاہ سالار کو سنگ پارس دکھلایا اور کچھ کہتے ہوئے تالاب میں ڈبو دیا اور خود بھی ڈوب مرا یہ کیفیت دیکھ کر اس کی بیوی بھی پانی میں کود پڑی اور مر گئی چنانچہ اب بھی اس تالاب کے وسط میں اِن دونوں کے علٰحدہ علٰحدہ دو سمادہ موجود ہیں چونکہ تلنگی زبان میں "کمروڑو" لوہار کو کہتے ہیں اسی لئے اِس وقت سے اس تالاب کو "کمر تالاب" اور اِس مندر کو بھی اسی مناسبت سے "کمرگڑی" کہنے لگے۔ عین اسی زمانے میں قطب شاہی فوج میں وبا پھیلی جس کی وجہ سے کئی سپاہی اور خود سپاہ سالار فوت ہوئے چنانچہ اِن کی نعشیں قصبۂ ہذا میں اِسی مقام پر مندر کے قریب تالاب کے کٹے پر اور کچھ کٹے سے نیچے دفن ہیں سپاہ سالار اصغر حسینؒ کی قبر آج بھی نمایاں ہے اور عام لوگ اس سے واقف ہیں۔ راقم نے بھی اِس کی زیارت کی ہے:۔

مندر کی پوری عمارت سنگ سیاہ کی بنی ہوئی ہے مندر کے شمالی حصّے میں بیرونی گوشے پر بانیٔ مندر راجہ ورنگل کے عہد کا ایک کتبہ بھی ہے جس کا صحیح مطلب آج تک

حل نہ ہو سکا البتہ قیاس سے بیان یہ کیا جاتا ہے کہ "اس گاؤں میں ۱۲۵ اکنٹے، ۲۵ اکنویں ۱۲۵ دیفنے ہیں، انکار کرنے والے کو مہا دیو کی قسم ہے"۔ اگر حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو اس وقت باؤلیوں کی تعداد اس سے چہارگنی نظر آتی ہے اور قصبہ ہذا کی آمدنی کا بڑا ذریعہ اس وقت بھی پانچ تالاب اور ایکسو ایک کنٹے ہیں۔

واقعہ مندرجہ صدر کے چند سال بعد دہلی سے مچکندہ میں ایک بزرگ چالیس معتقدین کے ہمراہ تشریف لائے آپ کا نام حضرت خواجہ سید احمد کبیر روشن ضمیرؒ تھا جن کا سلسلہ چوتھی پشت میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ آپ اسی مندر کمر گڑی کے قریب فروکش ہوئے۔ اس وقت سے اسلام کی اشاعت زیادہ ہونے لگی اور مچکندہ کی قدیم آبادی پر اسلامی تہذیب و تمدن کا خاصہ اثر پڑنے لگا۔ عرصے تک خاص و عام حضرت روشن ضمیرؒ

ف کمر تالاب، صراف تالاب، امام تالاب، چودھر تالاب، گدا

ت۔ سید احمد کبیر روشن ضمیرؒ ابن سید قبول اللہ حسینی عرف سید قبولہ حسینیؒ ابن سید اکبر حسینیؒ ابن حضرت سید محمد محمود حسینی گیسو دراز خواجہ بندہ نوازؒ۔

سے فیض یاب ہوتے رہے لیکن چند سال بعد ماہ ذی الحجہ
کی ۱۷ ہر تاریخ (افسوس کہ سال وفات کا صحیح پتہ نہ چل سکا)
حضرت روشن ضمیرؒ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے
اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون۔ تاریخ ورود سے جس جگہ آپ کا
قیام تھا اسی جگہ مزار پُر انوار مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ اور
صدہا لوگ فیض جاریہ سے آج بھی مستفید ہو رہے ہیں خاکسار
طالع بھی بارہا زیارت قبر سے مشرف ہوا ہے۔ عرس شریف
کے موقع پر مدرسے کو ایک یوم کی مقامی تعطیل ملا کرتی ہے
اور سرکار عالی کے جانب سے خدمت درگاہ شریف کے
لئے گیارہ ایکڑ انتیس گنٹے اراضی محاصلی ایکسو تین روپیہ
مشروط الخدمت انعام ذریعہ منتخب نشان (۸۴۷) مورخہ
۲۰ ہر ربیع الاول ۱۲۹۴ھ ۱۸۷۷ ہجری بحال ہے۔
ربیع الآخر ۱۰۹۹ھ م ۱۶۸۷ء میں ½ ۸ ماہ کی پیہم کوشش
کے بعد جب شاہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے گولکنڈہ
کی رہی سہی قوت توڑ دی تو اس وقت سے دکن کا یہ علاقہ
پھر شمالی ہند کا ماتحت بن گیا افسوس کہ محکندہ سے متعلق اس
زمانے کے صحیح تاریخی حالت کا پتہ راقم کو نہ چل سکا۔ لیکن

اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہاں کی آبادی
میں کافی اضافہ ہوتا گیا اور حقیقی صورت میں ایک قصبہ
نظر آنے لگا اور اسی زمانے میں بچکندہ کو بچکندہ کہنے لگے
جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

بابِ دوّم

عہدِ سلاطینِ آصفجاہی
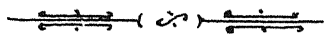
بارہویں صدی ہجری کے اوائل سے دکن میں جب سرکار ابد قرار سلاطین آصفی کا دور دورہ شروع ہوا تو قصبہ بچکندہ کی حیثیت ایک جاگیر کی سی ہوگئی جس پر مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے جملہ ستائیس امرار کا تسلط رہا ہے از انجملہ راجہ دیپ سنگھ صاحب راجہ نین سنگھ صاحب راجہ رگھوتم راؤ صاحب دیوان، نواب رفعت الملک بہادر نواب سراج الملک بہادر مدار المہام آصفی، بچلّ رسالدار و جاگیردار تاڑکل قابل ذکر ہیں۔ آخر میں بزمانۂ اعلیٰحضرت غفران مکان آصفجاہ سادس نور اللہ مرقدہٗ جبکہ یہ علاقہ نواب غالب جنگ بہادر کی تنخواہ جاگیر تھا اور نواب صاحب موصوف کی طرف سے امرت راؤ صاحب بحیثیت نائب

جاگیر دار کارگذار تھے ۱۲۸۴ فصلی میں شریک خالصہ ہوکر تحت ضلع نظام آباد شامل کیا گیا اور بچکندہ تعلقہ قرار پایا۔ قصبۂ ہذا کی موجودہ گڑھی کے متصل تحصیل کچہری واقع تھی یہہ جگہ اب بالکل افتادہ ہے لیکن کچھ بنیادی آثار اب بھی پائے جاتے ہیں اس وقت نواب بزرو جنگ بہادر اوّل تعلقدار ضلع نظام آباد تھے۔ ملوک چند صاحب سب سے پہلے تحصیلدار تعلقہ بچکندہ اور مولوی عالم خاں صاحب سب سے پہلے منتظم پولس رہے ہیں۔ چنانچہ مولوی عالم خاں صاحب سب انسپکٹر کے بچوں کو مولوی سید صفدر علی صاحب موجودہ نائب قاضی و متولی درگاہ حضرت روشن ضمیرؒ ایک عرصے تک تعلیم دیتے رہے ہیں۔

مولوی سید صفدر علی صاحب ماشاء اللہ بہ صحت ہوش و حواس اس وقت عشرہ دہم کے اواخر میں ہیں۔ پست قامت رنگ سیاہ، جسم گٹھا ہوا اور ہمیشہ جامہ سفید زیب تن چشم بد دور بتیسی ابھی پوری قائم ہے اور دس بارہ میل کی پیدل مسافت اب بھی ان کے لئے کوئی بار خاطر نہیں ہے۔

ایک عرصے تک تحصیل کچہری بچکندہ ہی میں رہی لیکن
بندوبست اولی سے کچھ پہلے بمصالح انتظامی قصبۂ بودہن
میں منتقل کردی گئی اور بچکندہ بدستور تعلقہ ہی رہا مگر جب
۱۳۰۲ فصلی میں بعہد اعلیٰحضرت غفران مکان آصف جاہ
سادس نور اللہ تربتہٗ بندوبست اولی ہوا تو بچکندہ ایک
قصبۂ قرار پاکر تحت تعلقہ بانسواڑہ ضلع نظام آباد شامل
کیا گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی ارض ہند سے قصبۂ
ہذا میں پھر ایک مسلمان بزرگ تنہا تشریف لائے اکثر
اوقات جذب کی کیفیت آپ پر طاری رہتی تھی اور
پنجم پنجم یا علیؑ جب یہہ الفاظ آپ کی زبان مبارک سے
سنائی دیتے تھے۔ گلے میں سلیمانی کنٹھا اور ہاتھ میں عصا
رہتا تھا۔ آپ کو بکریاں پالنے کا بہت شوق تھا۔
تھوڑے دنوں میں بلا قید ملت بہت لوگ آپ کے معتقد
ہوگئے اور فیض یاب ہونے لگے جن میں قابل ذکر نارائو
صاحب پٹواری موضع خانہ پور ہیں جو صدق دل سے
حضرت کے معتقد اور اکثر و بیشتر خدمت اقدس میں حاضر
رہا کرتے تھے جب سن شریف عمر طبعی کو پہنچ چکا تو دو تین

یوم مرض الموت میں مبتلا رہ کر بتاریخ ۱۹ صفر ۱۳۱۹ھ یوم جمعہ عازم دار البقا ہوئے آپ کا قرار گھر بار متصل اسٹیشن ہوتر پولس واقع ہے اور آج بھی کشف و کرامات کا وہی سلسلہ جاری ہے عرس شریف کے موقع پر مدرسے کو ایک یوم کی مقامی تعطیل ملا کرتی ہے۔ حضرت کے وصال کے وقت مولوی میر ولایت علیؒ صاحب تحصیلدار تعلقہ بانسواڑہ پر کارگذار تھے حضرت کے متعلقہ سامان سلیمانی کنٹھا، عصا، بکریاں اور دیگر اشیاء کا پنچنامہ وغیرہ ہونے کے بعد تحصیل بانسواڑہ سے انار راؤ صاحب پٹواری خانہ پور کو بوجہ عقیدت و خدمت وحسب وصیت حضرتؒ سلیمانی کنٹھا اور عصا، ترکہ میں دیا گیا۔ اس تبرک کے بھی عجیب واقعات سننے میں آئے ہیں۔ یعنی اس سلیمانی کنٹھے کی بدولت انار راؤ صاحب پٹواری کی ذات سے صدہا بندگان خدا کو فائدہ پہونچا ہے مثلاً مرض خواہ جسمانی ہو یا روحانی اس کنٹھے کو وہ عود کا دھواں دے کر کبھی بیمار کے گلے میں ڈال کر نکال لیتے، کبھی پیشانی کو لگا دیتے تو کبھی کنٹھا دھو کر بیمار کو پانی پلا دیتے تھے اور مریض فوراً بھلا چنگا ہو جاتا۔ تقریباً دس سال ہوئے کہ انار راؤ صاحب

پٹواوی کا انتقال ہو چکا اور اسی وقت سے اِس کنٹھے کا بھی پتہ نہیں ۔

چونکہ زندگی میں حضرتؒ اکثر اوقات لفظ "پنچم پنچم" وردِ زبان رکھتے تھے اسی لئے لوگ آپ کو بعد رحلت "پنچم شاہ ولی" کہنے لگے ۔ کہتے ہیں کہ آپ نے کسی معتقد پر اپنا اسمِ گرامی "رحمٰن شاہ سلطان" بھی ظاہر فرما دیا تھا اسی لئے آج بھی یہہ دونوں نام حضرت کے مشہور ہیں ۔

جب ۱۳۱۴ سنہ فصلی مطابق ۱۳۲۳ھ میں مکرر جدید تنظیم اراضی ہو کر ضلع بندی سابقہ میں مزید ترمیم ہوئی تو قصبہ بچکندہ تحت تعلقہ دیگلور ضلع ناندیڑ منتقل ہوا ۔ قصبۂ ہذا دریائے مانجرہ سے مغرب کی جانب پانچ میل کے فاصلہ پر پتھریلے ٹیلوں کے درمیان واقع ہے اس کے شمال میں موضع لچھمن مشرق میں موضع دیواڑہ جنوب میں موضع دولت پور اور کولاس مغرب میں موضع کندرپلی واقع ہے ۔ قصبۂ ہذا کی مردم شماری (۳۳۷۳) اور خانہ شماری (۹۰۴) رقبہ (۴۲۶۱) ایکڑ ۱۸ گنٹے ہے از انجملہ ۵۲ ایکڑ ۲۰ گنٹے گاؤٹھان ۱۸ ایکڑ ۱۴ گنٹہ بغرض راستہ، ۵۷۴ ایکڑ ۲۶ گنٹے ناقابلِ کاشت

اور ۳۳۱۴ بیگھ ۳۸ گنٹہ قابل کاشت محاصلی ۲۰ صما ؁ [illegible]
سترہ ہزار پانچسو اناسی روپیہ سات آنہ ہے لیکن مسلسل ہنگاموں
اور سرکار رحمت مدار کی عدیم المثال رعایا پروری یعنی معافی لگان
کی وجہ سے سال گذشتہ ۱۳۱۷ف میں صرف (۱۳۴۸۸ ۵ ۳)
تیرہ ہزار چارسو اٹھاسی روپیہ پانچ آنہ تین پائی رقم مالگزاری
وصول ہوئی:۔

قصبۂ ہذا کے مشاہیر انعام میں قابل ذکر انعام راجہ
شیوراج بہادر آنجہانی دوامًا بحال ایک بیگھ ۲ گنٹہ محاصلی
[illegible] انعام دیول ہنومان مشروط الخدمت ۷ بیگھ ۸ گنٹہ محاصلی
[illegible] انعام سری کاشی الشیوناتھ مندر مشروط الخدمت ۴۶ بیگھ
۱۹ گنٹہ محاصلی ۹ ۱۵ انعام آبادار دیول مشروط الخدمت
۱۱ بیگھ ۲۵ گنٹہ محاصلی [illegible] انعام قضائت مشروط الخدمت
۴ بیگھ ۱۲ گنٹہ محاصلی [illegible] انعام درگاہ شریف حضرت روشن ضمیر
مشروط الخدمت ۱۱ بیگھ ۲۹ گنٹہ محاصلی ۱۰۴ ہے۔

قصبۂ ہذا میں ۱۲۹۳ف سے مدرسۂ تحتانیہ قائم ہے اور
اور ۱۳۰۶ف سے عملۂ صفائی کا وجود بھی ہے جس کے ماہانہ
اخراجات چھتر روپیہ سکۂ عثمانیہ ہیں اور جو آج کل شفاخانہ

یونانی کے زیر نگرانی ہے۔ سنہ ۱۳۴۳ فصلی سے شفاخانۂ یونانی درجۂ سوم کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس وقت قصبۂ ہٰذا میں ایک مدرسہ تحتانیہ درجہ اوّل دوزبانی، ایک مدرسہ نسوان دوزبانی، اسٹیشن ہوز پولس، ٹپہ خانہ، شفاخانہ یونانی اور ایک مدرسہ امدادی سرکاری دفاتر ہیں نیز گرداور صاحب تحصیل اور سب انسپکٹر صاحب آبکاری کا مستقر بھی ہے اور سرکاری عمارتوں میں مال چاوڑی، ٹپہ خانہ، اسٹیشن ہوز قدیم اور اسٹیشن ہوز جدید ہیں۔ یہ جدید عمارت سنہ ۱۳۴۷ فصلی میں بصرفہ پچاس ہزار (ـــ) سکۂ عثمانیہ بالکل نئی طرز کی جرمن ڈرائن پر تعمیر ہوئی ہے۔ اور درگاہِ حضرت رحمٰن شاہ سلطان سے ملحق ہے:۔

لوگ مسلم و غیر مسلم آباد ہیں تعداد میں غیر مسلم زیادہ ہیں جن میں تلنگے بکثرت ہیں جن کی مالی حالت بدرجۂ اوسط ہے عام پیشہ زراعت ہے اگرچہ کہ سنہ ۱۲۹۳ فصلی سے یہاں مدرسہ قائم ہے پھر بھی دنیا کی موجودہ ترقی خصوصاً اس دورِ عثمانی کے علمی برکات کے اثرات یہاں خاطر خواہ نمایاں نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اس قصبے سے آج تک کوئی ناموسپوت

پیدا نہیں ہوا۔ جس طرح یہ آبادی قدیم ہے اسی طرح یہاں کے باشندے بھی قدیم پیشوں کے دلدادہ ہیں مثلاً سنار لوہار، نجار وغیرہ وغیرہ جو اپنے فن میں کوئی خاص کمال نہیں رکھتے :-

اِس قصبے میں آج بھی چار زبانیں رائج ہیں، اردو تلنگی، مرہٹی، کنڑی لیکن تلنگی بکثرت بولی جاتی ہے۔ قصبۂ ہذا مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے یہاں روز چہار شنبہ ہفتہ واری بازار اعلیٰ پیمانے پر ہوتا ہے اور وسائل حمل ونقل کی وسعت وسہولت کی وجہ سے تجارت میں ترقی ہورہی ہے ذرائع آب پاشی کی بہتات کی وجہ سے چاول کی کاشت بافراط ہوتی ہے اور سال بھر میں مختلف اجناس کی چار پانچ فصلیں زمین سے حاصل کی جاتی ہیں اسی لئے آب وہوا مرطوب اور موسمی امراض کا گھر ہے :-

پیداوار میں چاول، گیہوں، چنا، جوار، کپاس، مونگ، السی، کرڑ، اڑد، تور وغیرہ میووں میں شریفہ یہاں کا خاص پھل ہے جو بافراط پیدا ہوتا ہے اور حیسں کثرت سے

یہاں اس کی فصل ہوتی ہے شاید ہی کسی اور مقام پر ہو۔ یہ لذیذ اور شیریں ہونے کے علاوہ بہت ارزان بھی بکتا ہے۔ مویشیوں میں بیل اور بھینسا اس علاقے میں بڑے کام کے جانور ہیں۔ دیگر حیوانات میں بھیڑیا، تیندوا، ریچھ اور جنگلی سور وغیرہ جھاڑیوں میں پائے جاتے ہیں لیکن ہرن بکثرت نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اکثر شائقین اور امرائے عظام بغرض سیر و شکار تشریف لایا کرتے ہیں:۔

بچکندہ سے شمال مغرب میں دیگلور، ناندیڑ اور جنوب مشرق میں نظام ساگر ہے۔ نظام ساگر سے حیدرآباد، نظام آباد، بودھن، کاماریڈی تک پختہ سڑکیں تعمیر ہوگئی ہیں جن پر ریلوے موٹر بس چالو ہے چنانچہ ۵ شہریور ۱۳۴۷ف سے بس موٹر بچکندہ کو دن میں چار مرتبہ آرہی ہے مسافروں کو بہت کچھ آرام مل گیا ہے ورنہ اِس کے قبل موٹر پر سوار ہونے کے لئے اہالیان بستی کو دو میل کا فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا جو بہت تکلیف دہ تھا معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے

کہ ریلوے لائن کی اسکیم بھی سرکار عالی کے زیر غور ہے۔ فقط
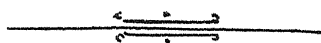
تمت بالخیر

اِلتماس

۱۔ براہِ کرم کوئی صاحب بِلا اجازت قصدِ طبع نہ فرمائیں البتہ جس قدر نسخے مطلوب ہوں خاکسار سے طلب فرما سکتے ہیں

۲۔ اِس کتاب کی اشاعت سے کوئی تجارتی مقصد میرے پیشِ نظر نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حقیر تصنیف ہی کیا اور اس کی قیمت کیا؟ جبکہ میں نے فی نسخہ ایک آنہ یعنی اس کی آمدنی کا ۲۰ فیصدی حصہ انجمن اساتذہ ضلع ناندیڑ کے لئے وقف کردیا ہے اس لحاظ سے کتاب کی جو قیمت مقرر کی گئی ہے وہ لاگت کے برابر ہوتی ہے۔ توقع ہے کہ اراکین انجمن اس کی خریداری میں دلِچسپی لے کر مجھے خسارہ سے بچائیں گے فقط۔

خاکسار

طالع